© rasailojaraid.com

پروفیسر ساجد میر

گذشتہ سے پیوستہ

اسلام کا معاشرتی نظام

طبقاتی حقوق کا تحفظ

اسلام بچوں کے حقوق ان کی پیدائش سے قبل تسلیم کرتا ہے۔ اسی لیے حاملہ عورت کو اذیت پہنچا کر اس کا حمل ضائع کرنے کی باقاعدہ سزا مقرر ہے۔ نیز حاملہ کو اس کے کسی قصور پر ایسی سزا نہیں دی جا سکتی جو اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکے۔ عہدِ نبوی میں ایک عورت سے زنا کا ارتکاب ہو گیا۔ احساسِ ندامت اسے کشاں کشاں حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آیا اور اس نے از خود سزا کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اخروی محاسبہ سے بچ سکے۔ آپ نے اس کے اس جذبہ کی قدر فرمائی، مگر سزا کو بچے کی پیدائش پر ملتوی کر دیا۔ پیدائش کے بعد اس نے پھر سزا کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے کہا کہ ابھی بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ جب دودھ چھڑایا جائے گا تو سزا بھی دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یاد رہے یہ اہتمام ایک ناجائز بچے کے متعلق تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بچوں کے معصوم طبقہ کے اسلام کی نظر میں کیا حقوق ہیں؟

اسی طرح ضعیفوں، کمزوروں اور زیردستوں کے حقوق کو بھی محفوظ کیا گیا حتیٰ کہ جنگ کے زمانہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اپنے سپہ سالاروں کو تاکیدی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ ضعیفوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی امداد و اعانت اور دلجوئی کے بارے میں خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اور وہ حدیث کتنی بلیغ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے فرمائیں گے "میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کیوں نہ کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی کیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ پلایا اور مجھے کپڑے کی ضرورت تھی تم نے مجھے کپڑے کیوں نہ پہنائے۔ بندے عرض کریں گے، مالک! تُو تو ان احتیاجوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا۔ فلاں پیاسا تھا، فلاں ننگا تھا۔ اگر تم ان کی ضرورتیں پوری کرتے تو وَجَدْتَنِیْ عِنْدَهٗ (مجھے ان کے پاس پاتے۔ یتیم کے سرپرست (کافل الیتیم) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اپنے قرب کی بشارت دی اور فرمایا وہ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا جیسے دو جڑی ہوئی انگلیاں۔ اور بیواؤں کی خبرگیری کرنے والے (اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ) کو مجاہد فی سبیل اللہ کا معزز مقام عطا فرمایا اور اسے ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کو مسلسل قیام کرنے کے مترادف قرار دیا۔

اسلام نے سوسائٹی کے پسماندہ طبقات کے ساتھ حسن سلوک اور مالی امداد کرنے والوں کا ان پر کوئی بڑا احسان قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا:

وَفِیْٓ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ — اچھے لوگوں کے مال میں سائل اور محروم و محتاج کا قدرتی حق ہوتا ہے۔

ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد کی سلسلہ میں ایک اور جامع حدیث میں فرمایا گیا:

مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ — جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت و ضرورت پوری کرنے کی سعی کرتا ہے اللہ (دنیا و آخرت میں) اس کی حاجات و ضروریات پوری کرے گا۔

طبقۂ اناث کے حقوق کی حفاظت پر اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ والدین کی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ البتہ ان کا حصہ نصف اس لیے رکھا گیا کہ گھر اور معاشرہ کی معاشی ذمہ داری براہِ راست ان کے کندھوں پر نہیں مردوں پر ہے۔ پھر بیٹی نہیں بیوی اور ماں کی مختلف حیثیتوں میں عورت کا احترام سکھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]:

"جو شخص دو بلکہ ایک بھی بیٹی یا بہن کی تعلیم و تربیت کرے تو ادخلہ اللہ فی الجنۃ (اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا)"

پھر فرمایا:۔

---

[1] اختصار کی خاطر یہاں آیات و احادیث کے مفصل حوالوں کی بجائے ایک ایک دو دو بنیادی اور چیدہ مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ (تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں")

اور ماؤں کا رتبہ یہاں تک بڑھایا گیا ہے کہ ارشاد ہے:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (جنت ماؤں کے پاؤں تلے ہے)

زوجین کے باہمی حقوق متعین کیے گئے۔ عورتوں کو مردوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تلقین کی گئی اور مردوں کو عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (یعنی ان سے اچھی طرح سلوک کرو) حدیث میں فرمایا گیا:

اِتَّقُوْا فِي النِّسَآءِ ..... (عورتوں سے سلوک کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو وہ تمہارے پاس امانت ہیں")

عورت کو بے زبان جانور اور پاؤں کی جوتی کی حیثیت سے بلند کر کے فرمایا گیا:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اگر ان کے ذمہ کچھ فرائض ہیں تو اسی طرح ان کے کچھ حقوق بھی ہیں")

مرد اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ) اور اس ساتھ اور معیت کا مقصد ایک دوسرے کو آرام و سکون پہنچانا (لِيَسْكُنُوْا اِلَيْهَا) اور گھر کو جنت کا نمونہ بنانا ہے (جنۃ الوصل دارہ) آپس میں اتفاق نہ ہو سکنے کی صورت میں علیحدگی کا راستہ کھلا رکھا گیا تاکہ زندگی جہنم کا ٹکڑا نہ بنے مگر ساتھ ہی سمجھا دیا گیا کہ الخ

"اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ (طلاق و علیحدگی اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے ناپسندیدہ ہے")

ان قوانین نے شرع اسلام کو اقبال کے الفاظ میں ع

حافظِ ناموس زنا مرد آزما مرد آفریں

بنا دیا ہے۔

اسی طرح والدین کے طبقہ کو بھی مناسب مقام و حقوق عطا کیے گئے۔ ارشاد باری ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (ان کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر رکھو اور ان سے محبت روا رکھو")

یہاں تک کہ اگر وہ شرک اور خدا کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں تو وہ تو نہ مانو مگر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (ان سے دنیا ہی حد تک اچھا سلوک جاری رکھو)

ہمسایوں کے حقوق بھی متعین کیے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا:

"وہ شخص مومن ہی نہیں جو خود پیٹ بھر کر سو رہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو"

اللہ اکبر! معاشرتی عدل کا یہ وہ مقام ہے جہاں صوفوں پر بیٹھ کر "سوشلزم" کا پرچار کرنے والے "مفکرین" کا نظریہ و عمل نہیں پہنچ سکا۔ ایک مرتبہ آپ نے حقوق ہمسایہ کو اپنے مخصوص بلیغ انداز میں اس طرح سمجھایا کہ:

"جبریل نے مجھے ہمسایہ کی رعایت کی اس قدر تاکید کی ہے کہ میں سمجھا عنقریب یہ حکم بھی آنے والا ہے کہ اسے وراثت میں بھی شریک قرار دے دو۔"

اسلام کے معاشرتی نظام کی برکات سے غلام بھی محروم نہ رہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کا یکسر انسداد کیوں نہ کیا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ قرونِ اولیٰ میں غلامی کی جو شکل باقی رہی وہ جنگی قیدیوں کی غلامی تھی آزاد انسانوں کو خواہ مخواہ پکڑ کر غلام بنانے والوں کو یہ زبردست وعید سنائی گئی کہ قیامت کے روز خود "مالک یوم الدین" ان کے خلاف مدعی ہوگا۔

دوسرے جدید ذہن لفظ "غلامی" سے اس لیے گھبراتا ہے کہ یہ لفظ سن کر اس کے سامنے قدیم یونانیوں اور حالیہ تہذیب کے علمبرداروں کے وہ مظالم آجاتے ہیں جو انہوں نے افریقہ اور ایشیا کے مجبور انسانوں پر روا رکھے مگر اسلام نے تو غلاموں کو آقاؤں کے مساوی حقوق دیے ہیں۔ حضرت ابوذر بتلاتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں تمہارے ماتحت بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ ان سے حد سے زیادہ کام نہ کراؤ اور ان کے کام میں خود بھی ہاتھ بٹاؤ"

یہ بھی فرمایا کہ:

"غلام کو اس کے حقیقی قصور سے زیادہ سزا دو گے تو اس کا قصاص اللہ تم سے لے گا"

جنگی قیدیوں کو بھی صرف غلام بنانے کی بجائے إِمَّا مَنًّا وَإِمَّا فِدَاءً (یعنی بطور احسان چھوڑ دینے یا فدیہ لے کر آزاد کر دینے کی صورتیں بھی مقرر کیں۔ ان دو صورتوں میں جو لوگ نہ آسکیں انہیں "غلام" بنا کر رکھنے کی اجازت دی گئی کیونکہ ایک تو اس زمانہ میں قید خانے موجودہ صورت میں نہ تھے اور دوسرے انہیں محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیدی بنا کر عضوِ معطل کی حیثیت سے رکھنے کی بجائے معاشرے کا مفید و بامقصد رکن بنا لیا جاتا، اور ان کی کفالت کا بوجھ ریاست اور قومی خزانہ پر ڈالنے کی بجائے افراد کے سپرد کر دیا جاتا اور افراد کو چونکہ ان سے حسنِ سلوک کی تاکید تھی اس لیے ایسی مثالیں اکثر دیکھنے میں آئیں کہ مثلاً :

★ کوئی ابوذرؓ اپنے خادم کے ہمراہ گھر سے باہر نکلا ہے تو اس کی اور اس کے غلام کی پوشاک میں فرق نظر نہیں آتا۔

★ کوئی عمرؓ سفر کر رہا ہے تو غلام کو سوار کرنے کی برابر کی باری دیتا ہے۔

★ کوئی علیؓ کپڑا خریدنے نکلا ہے تو اپنے لیے معمولی کپڑا خرید کر اپنے غلام کو بڑھیا کپڑا لے کر دیتا ہے اور جب وہ اس سے انکار کرتا ہے تو کہتا ہے، بھئی! تم جوان ہو تمہیں اچھے کپڑے پہننے چاہییں میرا کیا ہے میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں۔

غلاموں میں سے جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکنے کے قابل ہوتے، ان سے ان کے مالک مکاتبت کر لیتے یعنی ان کی کمائی سے مناسب رقم لے کر انہیں آزاد کر دیتے۔ اس کے علاوہ مختلف جرائم کے کفارہ کی صورت میں بھی غلاموں کو آزاد کرنے کا راستہ کھولا گیا اور بغیر کوئی معاوضہ لیے بطور احسان انہیں چھوڑ دینے والے کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کنندہ کو جہنم سے آزادی ملے گی اس سلسلہ میں آپ نے یہ بھی ترغیب دی کہ آقا غلام کو اپنی زندگی میں اور ضرورت کے وقت آزاد کرے۔ یہ نہیں کہ مرتے ہوئے اسے پروانۂ آزادی دے دے۔ جو شخص ساری عمر اسے غلام رکھ کر مرتے وقت اس پر آزادی کا احسان کرتا ہے۔ اس کی مثال آپ نے اس شخص سے دی جو اپنا پیٹ پوری طرح بھرنے کے بعد بچا کھچا کھانا کسی کو ہدیۃً دیتا ہے (مَثَلُ الَّذِیْ یُھْدِیْ اِذَا شَبِعَ[1])

پھر جو غلام ابھی معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے آزاد ہو گیا اس کی امداد و اعانت مسلمانوں پر لازم قرار دی (تَعُوْنُکَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ[2]) اور زکوٰۃ کے مصارفین میں غلاموں کی آزادی و تعاون کا خاص حصہ رکھا۔

اس طرح بتدریج غلامی کو ختم کیا گیا اور اس کی جو صورتیں باقی رہیں انہیں عدل و احسان سے ڈھانپ دیا گیا۔ غلامی کا خاتمہ تدریجاً اس لیے کیا گیا کہ غلامی کا نظام عرب کی معیشت میں پوری طرح رچ بس چکا تھا۔

---

[1] [2] ابوداؤد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کا فی الفور خاتمہ غلاموں، آقاؤں اور پورے معاشرہ کے لیے کئی مفاسد کا حامل تھا۔ زمانۂ قریب میں جب امریکہ نے غلامی تدریج کی بجائے فی الفور ختم کرنے کی کوشش کی تو اسے شدید خانہ جنگی اور معاشرتی فساد کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے باوجود وہاں اب تک "کالوں" کو پوری طرح "گورے" معاشرہ میں سمویا نہیں جا سکا۔

معاہد اور ذمیوں کے طبقہ یعنی غیر مسلم رعایا سے بھی حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو شخص معاہد پر ظلم کرے میں قیامت کے دن خود اس پر مقدمہ دائر کروں گا" [۱]

اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک بوڑھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپ اسے ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے۔ اسے کھانا کھلایا اور اس کے حالات دریافت کیے پھر اس کا اور اس جیسے دوسرے محتاج و غریب غیر مسلموں کا معمولی ٹیکس (جزیہ) معاف کر دیا، بلکہ ان کے لیے وظائف مقرر کیے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شامی غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کناں ہوا کہ اس کی زرعی زمین مجاہدینِ اسلام سے خراب ہو گئی ہے۔ آپ نے کافی دیر محنت کر کے خود زمین کے نقصان کا پورا حساب لگایا اور پھر اس کی قیمت اور شام سے آمد و رفت کا خرچ سرکاری خزانہ سے اس کے حوالے کیا۔

اسلام نے دشمنوں سے بھی عدل و احسان برتنے کی تاکید کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۔۔۔ کسی کی عداوت تمہیں اس سے انصاف برتنے سے نہ روک دے۔

تہذیب کے موجودہ علمبرداروں میں سے کوئی ہے جو اس اصول کو بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد بنائے؟ یہاں تو تمام مسائل میں کسی کی حمائت و مخالفت کا معیار یا تو اپنی ذاتی یا قومی اغراض ہوتی ہیں اور یا یہ کہ متعلقہ قوم ہمارے اپنے بلاک کی ہے۔ یا دوسرے بلاک سے منسلک۔ یہ بھی فرمایا کہ:

جو کافر تمہارے ساتھ جنگ و قتال میں ملوث نہیں ان سے صرف عدل ہی نہیں برّ و احسان کا سلوک بھی کر سکتے ہو۔ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ.....

---

[۱] ابوداؤد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَنْ تَبَرُّوْ هُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ)

مختلف طبقات و افراد کے ساتھ عمومی طور پر حسن سلوک اور عادلانہ برتاؤ کی بھی بے حد تاکید کی گئی ہے۔ ایک بلیغ حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"حقیقی مفلس وہ ہے جو نماز روزہ وغیرہ عبادات کر کے اللہ کے سامنے پیش ہوگا مگر چونکہ اس نے دنیا میں بعض لوگوں کا حق دبایا ہے، بعض پر ظلم کیا ہے۔ بعض کو ناجائز بُرا بھلا کہا ہے اس لیے اس کی نیکیاں ان مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور ان کی بدیاں اس پر لاد دی جائیں گی۔ نتیجۃً وہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہو کر گناہ کا بوجھ اٹھائے جہنم میں چلا جائے گا۔"

پھر فرمایا گیا کہ:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ (دین اخلاص، نرمی اور خیر خواہی کا نام ہے۔)"

اللہ، رسول، حکومت، معاشرہ، افراد سب سے اخلاص مندی کا عادلانہ برتاؤ ضروری ہے۔ ایک اور جامع حدیث میں فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

آپس میں بغض و حسد نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے قطع تعلق کر کے منہ نہ موڑو اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ

نیز چھوٹوں بڑوں، اپنوں، پرایوں سب سے حسن خلق سے پیش آنے کی تاکید کی گئی۔ آپ سے پوچھا گیا: مومنوں میں بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (جو اخلاق کے لحاظ سے اچھا ہے۔)"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

تمہارا مال تو سب کی ضرورتوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتا مگر تم خندہ پیشانی و خوش روئی اور حسن اخلاق سے سب کو خوش کر سکتے ہو۔

بقول اقبال ؎

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

اسلام کے ان زریں اصولوں کو اپنایا جائے تو یقیناً معاشرے میں مسکراہٹوں کے پھول کھلیں گے،

بقیہ بر صفحہ ۳۴

© rasailojaraid.com